https://farid.ps/articles/zionism_cognitive_dissonance/ur.html

صیہونیت کے تضادات: ایک سیاسی منصوبہ جو علمی تضاد پر مبنی ہے

جدید اسرائیل کی ریاست، صیہونیت کے سیاسی عکاس کے طور پر، اس قدر واضح تضادات پر مبنی ہے کہ اس کے لیے نہ صرف نظریاتی تحریف بلکہ قانونی، اخلاقی اور تاریخی منطق کے تعطل کی ضرورت ہے۔ یہ دعویٰ کہ وہ جمہوری پناہ گاہ ہے، سے بہت دور، اسرائیل نے نسلی قومی برتری کو ادارہ جاتی شکل دی، فوجی قبضہ نافذ کیا، اور ایک پروپیگنڈا ڈھانچے پر انحصار کیا جو اپنی ہی عدم مطابقت کے بوجھ تلے دھنس جاتا ہے۔

اسرائیل کے بارے میں سچ بولنا یہودی شناخت پر حملہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس: صیہونیت کے کچھ سب سے زیادہ آواز اٹھانے والے اور اصول پسند مخالفین یہودی دانشور، سائنسدان، ربی، اور فاشزم سے بچ جانے والے رہے ہیں—جن میں **البرٹ آئنسٹائن** بھی شامل ہیں، جنہوں نے 1948 میں **دی نیویارک ٹائمز** کو لکھے گئے ایک خط میں صیہونی رہنما **میناخم بیگن** کو فاشسٹ قرار دیا تھا۔ اسرائیل کی تنقید کرنا یہود دشمنی نہیں ہے؛ یہ اس اخلاقی اور سیاسی زوال کے خلاف مزاحمت ہے جو صیہونیت نے یہودی انصاف کی روایت اور **فلسطینی عوام** پر، جو اس کے تضادات کی روزانہ قیمت ادا کرتے ہیں، مسلط کیا ہے۔

ایک "یہودی اور جمہوری" ریاست: عملی طور پر ایک تضاد

اسرائیل دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ایک یہودی ریاست اور اپنے تمام شہریوں کے لیے ایک جمہوریت دونوں ہے۔ یہ دعویٰ ایک تضاد سے زیادہ ہے؛ یہ ایک احتیاط سے بنایا گیا جھوٹ ہے۔ **2018 کا قومی ریاستی قانون** واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ "اسرائیل کی ریاست میں قومی خود مختاری کا حق صرف یہودی عوام کے لیے مخصوص ہے۔" عربی، جو کبھی سرکاری زبان تھی، اس کی حیثیت کم کر دی گئی۔ دریں اثنا، **اسرائیل کی 20 فیصد آبادی—فلسطینی شہری—قانونی طور پر دوسرے درجے کے شہری ہیں**، جنہیں رہائش، تعلیم اور سیاسی اثر و رسوخ تک مساوی رسائی سے محروم رکھا گیا ہے۔

ایک ایسی ریاست جو نسلی اخراج پر مبنی ہو، جمہوری کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ نہیں ہو سکتی۔ کوئی بھی جمہوریت جو اس نام کی مستحق ہو، اپنے بنیادی قانون میں نسلی یا مذہبی درجہ بندی کو شامل نہیں کرتی۔ اسرائیل کی جمہوریت یہودیوں کے لیے، اور صرف

یہودیوں کے لیے کام کرتی ہے۔

تنقید کو یہود دشمنی کے طور پر پیش کرنا: ذمہ داری سے بچنے کا ڈھال

اسرائیل کی تنقید کو یہود دشمنی کے ساتھ جوڑنا نہ صرف غیر منطقی ہے—یہ فکری طور پر غیر ایماندار ہے۔ **IHRA** کی عملی تعریف جیسے تعریفیں اپنانے سے اسرائیل یہودی مصائب کو ہتھیار بناتا ہے تاکہ مخالفت کو خاموش کیا جا سکے۔ یہ ان لوگوں کو یہود دشمنوں کے برابر قرار دیتا ہے جو نسلی امتیاز، قبضے اور نسلی صفائی کے خلاف ہیں، جبکہ ان بہت سے یہودیوں کو نظر انداز کرتا ہے—مذہبی اور سیکولر—جو صیہونیت کو یہودی اخلاقیات کے ساتھ غداری سمجھتے ہیں۔

آئنسٹائن، **ہننا آرینٹ**، اور **مارٹن بوبر** نے سب نے خبردار کیا تھا کہ قوم پرستی اور تشدد پر مبنی ایک یہودی ریاست ظلم و ستم میں ختم ہو جائے گی۔ عصری گروہ جیسے **IfNotNow**، **Jewish Voice for Peace**، اور آرتھوڈوکس اینٹی صیہونی یہودی جیسے **نیٹوری کارتا** اس روایت کو جاری رکھتے ہیں۔ لیکن اسرائیل کے نظریاتی ڈھانچے کے تحت، ان یہودیوں کو "خود سے نفرت کرنے والوں" کے طور پر بدنام کیا جاتا ہے، جو ایک ایسی ریاست کے لیے ایک عجیب ستم ظریفی ہے جو تمام یہودیوں کی نمائندگی کا دعویٰ کرتی ہے۔

یہودی شناخت کو ایک یکساں صیہونی بیانیے میں سمیٹنا یہودی تنوع پر حملہ ہے—اور یہودی تاریخ کے ساتھ ایک گہری غداری ہے۔

انتخابی قانونی جنگ: بین الاقوامی قانون سیاسی تھیٹر کے طور پر

جب غزہ کے ہسپتالوں پر اسرائیلی جیٹ طیاروں سے بمباری کی جاتی ہے، تو ردعمل خاموشی یا دھندلاہٹ ہوتا ہے: "حماس نے اسے اپنی اڈہ کے طور پر استعمال کیا تھا۔" جب ایک ایرانی میزائل اسرائیلی ہسپتال کے قریب نقصان پہنچاتا ہے، تو اسے فوراً **جنگی جرم** قرار دیا جاتا ہے۔ یہ قانونی استدلال نہیں ہے—یہ عوامی تعلقات ہے جو انصاف کے روپ میں چھپا ہوا ہے۔

اسرائیل بین الاقوامی قانون کو منتخب طور پر استعمال کرتا ہے۔ وہ **اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل 51** کے تحت خود دفاعی حق کا حوالہ دیتا ہے لیکن **اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل** کے پابند قراردادوں اور **بین الاقوامی عدالت انصاف** کے فیصلوں کو مسترد کرتا ہے۔ وہ قانون سے بالاتر کام کرتا ہے کیونکہ اس کا بنیادی اتحادی، ریاستہائے متحدہ، اعلیٰ سطح پر استثنیٰ کو یقینی بناتا ہے۔

یہ ایک ایسی جمہوریت کا رویہ نہیں ہے جو اصولوں کے تحت چلتی ہو—یہ ایک سرکش اداکار کا رویہ ہے جو طاقت کے ذریعے محفوظ ہے۔

میناخم بیگن: دہشت گرد سے وزیر اعظم تک

شاید اسرائیل کے "دہشت گردی سے لڑائی" کے بیانیے میں سب سے زیادہ واضح تضاد **میناخم بیگن** کی زندگی میں ہے، جو دائیں بازو کی لیکود پارٹی کے بانی اور اسرائیل کے چھٹے وزیر اعظم تھے۔ اپنی سیاسی ترقی سے پہلے، بیگن **ارگون** کا کمانڈر تھا، ایک صیہونی نیم فوجی گروہ جو ایک سلسلہ وار ناقابل تردید **دہشت گردانہ حملوں** کا ذمہ دار تھا:

- **دیر یاسین قتل عام** (1948): 100 سے زائد فلسطینی شہریوں کو ذبح کیا گیا۔
- **کنگ ڈیوڈ ہوٹل بم دھماکہ** (1946): ایک برطانوی انتظامی مرکز میں 91 افراد ہلاک ہوئے۔
- **روم میں برطانوی سفار تخانے پر بم دھماکہ اور ویانا میں ہوٹل ساشر بم دھماکہ** بین الاقوامی دہشت گردی کے واقعات تھے۔
- برطانوی مینڈیٹ حکومت نے بیگن کے سر پر **£10,000 کا انعام** رکھا تھا۔ اس وقت کے تمام قانونی اور سیاسی تعریفیں کے مطابق وہ ایک **دہشت گرد** تھا۔

اس کے باوجود، بیگن بعد میں اسرائیلی کنیسٹ میں داخل ہوا، لیکود پارٹی کی بنیاد رکھی، اور وزیر اعظم بن گیا۔ آج اس کا نام اسرائیل میں شاہراہوں اور تعلیمی اداروں کو سجاتا ہے۔

اس کا موازنہ فلسطینیوں کے ساتھ سلوک سے کریں۔ فوجی قبضے کے خلاف کوئی بھی مسلح مزاحمت، چاہے وہ فوجیوں یا غیر قانونی آبادکاروں پر مرکوز ہو، فوراً دہشت گردی کا لیبل لگایا جاتا ہے۔ وہ اعمال جو اسرائیل کی بنیاد رکھنے میں مددگار تھے، ان کی تعریف کی جاتی ہے؛ مظلوموں کے اسی طرح کے اعمال کو شیطانی قرار دیا جاتا ہے۔

یہ منافقت اتفاقی نہیں ہے—یہ بنیادی ہے۔

"جنگ" جو جنگ نہیں ہے

اسرائیل اپنی غزہ میں مہمات کو جنگ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ لیکن وہ فلسطین کو ایک ریاست اور حماس کو جائز جنگجو قوت کے طور پر تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے۔ یہ دانستہ ابہام اسرائیل کو دونوں اطراف سے قانونی ذمہ داریوں سے بچنے کی اجازت دیتا

ہے: یہ بمباری کو جائز قرار دینے کے لیے جنگ کے قوانین کا حوالہ دیتا ہے لیکن گرفتار جنگجوؤں کے لیے **جنگی قیدی (POW)** کی حیثیت سے انکار کرتا ہے۔ اسرائیلی قیدیوں کو ان کے فوجی حیثیت سے قطع نظر "یرغمال" کہا جاتا ہے، جبکہ **فلسطینیوں** سے قانونی حقوق اور انسانی وقار دونوں سے محروم رکھا جاتا ہے۔

یہ صرف ایک تضاد نہیں ہے—یہ **قانونی ہیرا پھیری کے ذریعے جائز بنائی گئی غیر متناسب جنگ** کا نظام ہے۔

بومیت کا ہتھیار بنانا

صیہونی نظریہ اسرائیل کی سرزمین سے 3,000 سالہ تعلق کا دعویٰ کرتا ہے، اکثر **روحانی ورثے** کو **سیاسی خود مختاری** سے الجھاتا ہے۔ لیکن آج کے زیادہ تر یہودی اسرائیلی **یورپی تارکین وطن** کے اولاد ہیں، جن میں سے بہت سے 20ویں صدی میں آئے تھے۔ دریں اثنا، فلسطینی—مسلمان، عیسائی اور یہودی—1948 کے ناکبہ سے پہلے نسلوں تک اس سرزمین پر **مسلسل** رہتے تھے۔

1917 میں **فلسطین کی 95 فیصد سے زیادہ آبادی عربی بولنے والی تھی۔** عبرانی ایک مذہبی زبان تھی، نہ کہ بولی جانے والی زبان۔ صیہونیت کا بومیت کا دعویٰ اکثر زمین کو بانٹنے کے لیے نہیں بلکہ فلسطینی موجودگی کو مکمل طور پر مٹانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

حقیقی بومیت نقل مکانی کا آلہ نہیں ہے—یہ ایک ساتھ رہنے کی دعوت ہے۔ تاہم، صیہونیت نے واپسی کے زبان کو مسلسل نوآبادیاتی توسیع کو جائز قرار دینے کے لیے استعمال کیا ہے۔

نتیجہ: ایک منصوبہ جو الٹ پلٹ پر مبنی ہے

اسرائیل کی ریاست کے ذریعے عملی طور پر صیہونیت ہر اس اخلاقی اور قانونی اصول کو الٹ دیتی ہے جس کا دعویٰ کرتی ہے کہ وہ اسے برقرار رکھتی ہے۔ یہ ایک ایسی دنیا کا مطالبہ کرتی ہے جہاں:

- قبضہ دفاع ہے، اور مزاحمت دہشت گردی ہے
- نسلی حکمرانی جمہوریت ہے
- تاریخی یاد زمین کا عنوان بن جاتی ہے
- جنگی مجرم وزیر اعظم بن جاتے ہیں
- یہودی مخالفین مٹا دیے جاتے ہیں، اور یہودی قوم پرستی یہودی شناخت کے ساتھ ہم معنی کی جاتی ہے

ان الٹ پلٹ کو قبول کرنا اس حقیقت کو قبول کرنا ہے جہاں سچ وہی ہے جو طاقت کہتی ہے کہ وہ ہے۔ لیکن لاکھوں لوگ—فلسطینی، اینٹی صیہونی یہودی، اور اصول پسند اتحادی—اس تماشے میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں۔ وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ قانون یکساں طور پر نافذ کیا جائے۔ کہ جمہوریت کا مطلب مساوات ہو۔ کہ تاریخ کا احترام کیا جائے، نہ کہ اس کا استحصال کیا جائے۔

صیہونیت کے خلاف کھڑا ہونا یہودیوں کے خلاف کھڑا ہونا نہیں ہے۔ یہ آئنسٹائن **جیسے یہودیوں کے ساتھ کھڑا ہونا ہے،** جنہوں نے اس کے تشدد میں لامتناہی جنگوں کا مستقبل دیکھا تھا۔ یہ ایک ایسی دنیا کا مطالبہ ہے جہاں کسی بھی ریاست کے لیے، چاہے وہ خود کو کتنا ہی مقدس کیوں نہ کہے، انصاف کو معطل نہ کیا جائے۔

صیہونیت نے عقل کے تعطل کا مطالبہ کیا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ اس دھوکے کو ختم کیا جائے۔